تعلیم اقبال کی نظر میں

پروفیسر ضیاء

علامہ اقبال بنیادی طور پر ایک فلسفی اور مفکر تھے شاعری کا درجہ ان کے ہاں ثانوی تھا۔ اور وہ بھی محض اظہار خیال کے ذریعہ کے طور پر، موصوف نے زندگی کے مسائل پر بڑا غور کیا ہے اور ان کے حسن و قبح کو بڑی تحقیق اور تفحص سے پرکھا ہے۔ اپنی اس ذہنی کاوشوں کا نتیجہ کبھی وہ اشعار میں پیش کرتے رہے اور کبھی نثر میں۔ ضرورت ہے کہ ان کے افکار کو سمجھا جائے۔ اور زندگی کے بنانے۔ اس کی گتھیوں کو سلجھانے اور اسے نئے نصب العین دینے میں ان افکار سے جو روشنی ملتی ہے اس کی طرف توجہ کی جائے شاید بعض لوگوں کو اقبال کے تعلیمات کے فلسفی اور مفکر ہونے پر تعجب ہو اس میں شک نہیں کہ تعلیم کو اگر محدود اور اصطلاحی معنوں میں لیا جائے تو علامہ اقبال کو مفکر تعلیمات کہنا مشکل ہوگا۔ لیکن اگر تعلیم کو عام اور وسیع معنوں میں لیں تو اقبال بے شک مفکر تعلیمات ہیں۔ اور ان کے فلسفے میں تعلیم کے مربوط نظریئے آپ کو ملیں گے۔

تعلیم کا کوئی نظام اس وقت تک ناقص ہے، جب تک وہ فرد اور اس کی شخصیت کے متعلق کوئی مثبت اور واضح خیال پیش نہ کرے سچ پوچھئے تو تعلیم نام ہے فرد کا ماحول سے متاثر ہونا، اور ماحول کو متاثر کرنا۔ احوال و اسباب کے رنگ میں اس کا رنگا جانا اور ان کو اپنے رنگ میں رنگنا، اس عمل اور ردِ عمل کا تجزیہ ماہر تعلیم کا کام ہے۔ ایک فلسفی کی طرح ایک معلّم کو بھی فرد اور ماحول کے مفہوم کی حدیں قائم کرنی پڑتی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی اصلیت کو جانتے پر ہی اس کے سارے مسائل کا دارو مدار ہے۔

لہ اس مضمون کے لکھنے میں جناب غلام السیدین کی کتاب Iqbal's Philosophy of Education سے مدد لی گئی ہے۔

علامہ اقبال کے فلسفے کا بنیادی مسئلہ نظریۂ خودی ہے انہوں نے اپنی فارسی مثنوی اسرارِ خودی میں اس پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور اردو کلام میں بھی خودی پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ موصوف نے اپنے انگریزی لیکچروں میں بھی اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک خودی کا استحکام زندگی کا اصل الاصول ہے۔ فرد اگر اپنی خودی کو مضبوط نہیں کرتا تو وہ مردہ ہے۔ خواہ وہ زندگی کے سانس ہی کیوں نہ لے رہا ہو۔ اگر زندگی میں نمود کا ذوق نہ ہو تو وہ موت ہے اور اگر فرد اپنی خودی کی تعمیر کرلے تو وہ خدائی کرتا ہے۔ خودی کی اس اہمیت کے متعلق ماہرین تعلیم علامہ اقبال کے اس نظریہ سے متفق ہیں

اب سوال یہ ہے کہ خودی کے ارتقاء اور اس کی تکمیل کی کیا صورت ہے۔ اس مسئلہ میں نفسیات اور تعلیمات کے تمام ماہرین علامہ موصوف سے ہم نوا ہیں کہ خودی ایک مستقل جدوجہد کا نتیجہ ہوتی ہے جو انسان کو اپنے ماحول کے ناسازگار حالات اور اپنی ذات کے غیر ترقی کن رجحانات کے خلاف کرنی پڑتی ہے خود حضرت علامہ کے الفاظ ہیں۔

"خودی کا وجود اس کش مکش کا رہین منت ہوتا ہے، جو فرد ماحول کے خلاف کرتا ہے، یا ماحول فرد کے خلاف"

ظاہر ہے اس کے لئے اشد ضروری ہے کہ فرد کا اپنے ماحول سے تعلق اور ربط رہے۔ فرد اور ماحول کے اس باہمی ربط و کش مکش، تاثیر و تاثر اور ہم آہنگی اور مخالفت کے دوران میں خودی کی تشکیل ہوتی ہے۔ وہ ترقی پاتی ہے اور اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اقبال کا تصور حیات بڑا زندگی بخش ہے۔ وہ عزلت نشینی اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنے کے حامی نہیں، وہ آزمائش، تجربہ عمل اور حرکت کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ وہ خود شناسی کی دعوت دیتے ہیں اور دوسروں کی تقلید یا ان سے سوال کرنا ان کے ہاں مذموم ہے۔ کیونکہ اس سے خودی فنا ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال فرد کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے آزاد فضا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شخصیت کی تکمیل کے لئے ان کے خیال میں آزادی شرط اول ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

وہ فرد کو خود اپنی صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے ان کی رائے یہ ہے کہ فرد کو بے خطر ہو کر زندگی کی کش مکش میں کود پڑنا چاہیئے وہ اپنے تیشہ سے فرد کو اپنا راستہ بنانے کو کہتے

اور دوسروں کے بنائے ہوئے راستوں پر چلنا گناہ قرار دیتے ہیں اگر انسان سے کوئی نادر کام ہو جائے تو اس کا گناہ بھی ان کے نزدیک ثواب ہو جاتا ہے۔

تراشس از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہِ دیگراں رفتن عذاب است
اگر از دستِ تو کارِ نادر آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است

کیوں کہ آزادیٔ فکر اور جرأت عمل کا ولولہ اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو آگے چل کر اس سے بڑے بڑے شاندار نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوقِ انقلاب
ندرتِ فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگ خارا لعلِ ناب

تعلیم کا یہ نظریہ جامد بے جان اور بے روح نظام کو کبھی برداشت نہیں کر سکتا جو ایک خاص ڈھرے پر بچوں کو چلانا چاہتا ہے۔ اور انہیں وہ بنانا نہیں دینا چاہتے جو وہ بن سکتے ہیں۔ بلکہ جو وہ خود انہیں بنانا چاہتا ہے وہ بناتا ہے۔ اقبال آزادی فکر اور آزادیٔ عمل کے قائل ہیں۔ اور فرد کو آزادی سے کسی قیمت پر محروم نہیں کرنا چاہتے۔ موصوف کتابی علم کے زیادہ حق میں نہیں۔ ان کے خیال میں وہ علم جو طالب علم کو زندگی سے دور رکھتا ہے بے کار ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

فلسفی فکر میں اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ آیا تصوراتی دنیا اور واقعاتی دنیا۔ یعنی مادہ اور روح اور نیچر اور ذہن، یہ دو الگ الگ ایک دوسرے سے بے تعلق اور بے جوڑ چیزیں ہیں، یا دونوں ایک دوسرے

سے مربوط اور متعلق اور ایک دوسرے کو مکمل کرنے والی تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی اس بات کو جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب تک حقائق اور تصورات کی حدیں معین نہ ہوجائیں تعلیم کا کوئی نصب العین اور مقصد واضح نہیں کیا جاسکتا۔ فرض کیا اگر ہم بعض پرانے فلسفیوں کے نقش قدم پر چل کر دنیا کو مایا اور بے حقیقت سمجھ لیں تو اس کا اثر تعلیم کے ہنج پر بھی پڑے گا۔ اور ان کے برعکس اگر عہد حاضر کے مفکرین کے خیال کے مطابق کائنات محض مادہ ہی مادہ رہ جائے تو نظام تعلیم پر اس کا بڑا گہرا اثر ہوگا۔ ان دو نظریوں کے علاوہ زندگی کا ایک اور تصور بھی ہے۔ اس کے نزدیک مادہ اور روح دو الگ الگ اور آپس میں مخالف عنصر نہیں ہیں۔ بلکہ مادہ ابتدا ہے اور زندگی کا کارواں اس سے اپنا راستہ شروع کرتا ہے اور ترقی کرتا کرتا روح یا تصورات کی دنیا میں پہنچتا ہے۔ علامہ اقبال اس تیسرے نظریئے کے حامیوں میں سے ہیں۔ وہ کائنات کی اصل روح کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ روح مادہ میں اپنی ذات کا اظہار کرتی ہے۔ اس مادہ کی تسخیر اس کی ترقی اور اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ منزل پر لے جانا حقیقی روحانی زندگی ہے، اپنے اس مطلب کو موصوف نے فارسی کی اس رباعی میں یوں بیان کیا ہے۔

دلا رمز حیات از غنچہ دریاب
حقیقت در مجازش بے حجاب است
ز خاک تیرہ می روید ولیکن
نگاہش بر شعاع آفتاب است

زندگی کا راز غنچہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس کی شکل میں حقیقت بے نقاب نظر آتی ہے وہ مٹی میں اگتا ہے۔ لیکن اس کی نگاہ شعاع آفتاب پر ہوتی ہے۔ علامہ موصوف زندگی سے بے تعلقی کی تعلیم نہیں دیتے۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آدمی زندگی کو اپنے نصب العین کے مطابق ڈھالے۔ وہ اس سے معرکہ آرا ہو، اس کو پرکھے، اس کو بدلے۔ جانچے۔ تولے اور اپنی جدوجہد سے اسے اپنی راہ پر لے آئے۔ فرد کی خودی کی تکمیل جماعت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ فرد جماعت کا ایک رکن ہوتا ہے۔ اور جماعت جن روایات اور قدروں کو اپنے آباواجداد سے ورثہ میں پاتی ہے ان کے صالح حصہ کو مان کر ہی فرد صحیح نشوونما پاسکتا ہے۔ اقبال نے "اسرار خودی" میں فرد کی خودی سے بحث کی ہے اور دوسری مثنوی "رموز بے خودی" میں فرد اور جماعت کے تعلق پر روشنی ڈالی ہے ان کے نزدیک۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اقبال فرد کو جماعت کے شکنجہ میں کسنے کے روادار نہیں وہ اس معاملہ میں نازی اور فسطائی نظریۂ حیات کے کلیتہً خلاف ہیں۔ لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ فرد جماعت سے الگ ہو کر کچھ نہیں کہلاتا وہ ایک جماعت کا رکن ہو کر ہی فعال بن سکتا ہے۔ جماعت کو زندگی اعلیٰ مقاصد سے ملتی ہے۔ اور ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کا عزم جماعت کے افراد میں جدوجہد کا جذبہ پیدا کرتا ہے جس طرح فرد کی زندگی جان و تن کے ربط سے ہے اسی طرح قوم اپنی پرانی روایات کو محفوظ رکھنے سے زندہ رہ سکتی ہے۔ جب زندگی کی جوئے آب خشک ہو جائے تو فرد مر جاتا ہے اور اگر قوم کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہ رہے تو وہ بھی مر جاتی ہے۔

علامہ موصوف نے اس سلسلہ میں تاریخ کے متعلق بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے فرماتے ہیں "تاریخ ماضی کی داستان اور قصہ نہیں۔ یہ تو تمہیں خود اپنے آپ سے آگاہ کرتی ہے تجھے آشنائے کار اور مرد راہ بناتی ہے۔ تاریخ کی شمع قوموں کی قسمتوں کے لئے ستارہ کا کام کرتی ہے اور اسی کی ضو سے قوم کا حال اور ماضی درخشندہ ہوتا ہے۔"

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو
از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو

فرد کو قدرت سے آزاد شخصیت ودیعت ہوتی ہے اور وہ زندگی میں قدم رکھ کر اپنے ماحول سے نبرد آزمائی کرتا ہے اس سے فرد کی صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا موقعہ ملتا ہے وہ آگے بڑھتا ہے۔ اس کی ترقی کی کوئی حد نہیں ہوتی وہ جدوجہد کرتا ہے زمانہ سے اس کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ناسازگار حالات کو وہ اپنا سازگار بناتا ہے۔ یہ کشمکش، یہ نبرد آزمائی اس کی تعلیم کے مراحل کا کام دیتی ہے اقبال کے نزدیک انسان کی زندگی کا حاصل اس کا اندھی تقدیر کے ہاتھوں آلۂ کار بننا نہیں۔ کائنات کی وسعتیں غیر محدود ہیں، وہ ہر دم راہ ترقی پر گامزن ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

جب کائنات کی ترقی کا کوئی حد و حساب نہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کائنات کے سب سے برتر

رکن انسان کی ترقی کے امکانات کیسے محدود ہو سکتے ہیں۔ انسان کو خدا نے اتنی صلاحیتیں دی ہیں کہ وہ کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدائی اوصاف کا حامل بنانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ خالق بن سکتا ہے۔ قدرت نے اس کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ وہ اس کائنات کو بہتر سے بہتر بنا دے۔ انسان کی ان جبلی صلاحیتوں کے بارے میں اقبال نے ایک جگہ خداوند عالم سے یوں خطاب کیا ہے۔

"تو نے اندھیری رات بنائی، میں نے چراغ پیدا کیا۔ تو نے مٹی بنائی میں نے اس سے پیالہ بنالیا۔ تیرے دست قدرت نے بیابان و کہسار پیدا کئے اور خیابان و گلزار و باغ میں نے بنائے۔ میں وہ ہوں کہ پتھر سے شیشہ بناتا ہوں اور زہر سے تریاق۔"

آگے بڑھنے کا یہ ولولہ اور اپنی صلاحیتوں کے غیر محدود ہونے کا یہ یقین، کائنات کے بیکراں ہونے اور اپنی ذات کے کمال بے اندازہ کا یہ تصور تعلیم کے نظریوں کی جان ہے۔ اس سے فرد میں بڑی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ اظہارِ ذات کے لئے اپنے سامنے بڑی جولان گاہ پاتا ہے۔

اقبال اس عقلیت کو جو بے روح ہو۔ اور محض مادیات اور حقائق واسباب میں الجھ کر رہ جائے انسانی ترقی کے لئے مضر سمجھتے ہیں۔ تعلیم کے لئے وہ وجدان، محبت یا عشق کی نشو و نما کو ضروری قرار دیتے ہیں، وہ عقل کے مخالف نہیں بموصوف عقل کے فریضہ اور اس کی ضرورت کو مانتے ہیں، مادیات اور اسباب کی تسخیر کے لئے عقل کی اہمیت مسلّم ہے لیکن عقل منزل نہیں یہ چراغ راہ ہے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

عقل سورج کی شعاعوں کو تو گرفتار کر سکتی ہے، لیکن زندگی کی شب تاریک اس کی وجہ سے روشن نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے وجدان کی، عشق کی، خواجہ غلام السیدین صاحب کو ایک خط میں علامہ مرحوم نے لکھا تھا۔

علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطانی

ہے یہ علم علم حق کی ابتدا ہے، جیسا کہ انہوں نے جاوید نامہ میں لکھا ہے۔

علم حق اول حواس آخر حضور آخر او می نگنجد در شعور

وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علم حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے علم و عشق کے متعلق جاوید نامے میں کئی اشعار ہیں۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں
علم با عشق است از لاہوتیاں

مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے "بولہب را حیدر کرار کن" اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہئے کہ اگر اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کیلئے سراسر رحمت ہے۔"

ہر نظام تعلیم کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بتائے کہ وہ کس قسم کا انسان بنانے کا خیال اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اقبال کی تعلیمات انسان کو کیا بنانا چاہتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک اچھے آدمی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فعّال ہو۔ وہ سرتاپا عمل ہو۔ زندگی اس کی جدوجہد سے عبارت ہو۔ لیکن اس کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رہے کہ یہ عمل، اور یہ حرکت پہلے کے بندھے ٹکے نظام کے عین مطابق نہ ہو۔ انسان کی جدوجہد تخلیقی ہونی چاہیئے۔ محض تقلیدی جدوجہد کسی کام کی نہیں ہوتی۔ وہ مشکلات کا سامنا کرے اور انہیں آسان بنائے اور وہ نو آفریں اور تازہ کار ہو۔ اقبال یہ نہیں چاہتے کہ انسان بندہ تقدیر ہو۔ اور قسمت کے لکھے پہ شاکر و قانع۔ اس کو خود اپنے آپ سے لڑنا چاہیئے، اور تقدیر سے نبرد آزما ہونے میں باک نہیں ہونا چاہیئے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے!
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

"خوف" علامہ موصوف کی نظر میں ام الخبائث ہے۔ خوشامد، مکاری، کینہ اور جھوٹ سب خوف کے نتائج ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دل کے اندر جو بھی شر ہے اس کی اصل خوف ہے اور صرف خوف۔ اقبال انسان کے دل کو خوف کے اس مرض سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کا علاج وہ

توحید بتاتے ہیں۔ اللہ کو ماننے سے غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے۔

وہ خواہشات جو انسان کو دوسروں کا غلام بنا دیں، اقبال کے ہاں سر تا پا مردود ہیں۔ وہ رزق جس سے پرواز میں کوتاہی آئے، اس رزق سے تو موت اچھی ہے۔ علامہ موصوف قبائل پرستی اور قوم و ملک پرستی کے سخت دشمن تھے۔ ان کے خیال میں یہ باعث ہے تمام خانہ جنگیوں کا اور انسانوں کو ان سے لڑانے کا۔ وہ یک رنگی افکار اور وحدت عقائد کو جماعت کا اساس مانتے ہیں۔ اور کسی جغرافی طبعی یا ملکی تقسیم کے سرے سے قائل نہیں۔ احترام آدمی اصل آدمیت ہے۔ اور اگر تہذیب یہ نہیں سکھاتی تو وہ تہذیب نہیں بربریت ہے۔ اقبال کا مثالی انسان فقیر ہے۔ یہ فقیر عام اصطلاحی معنوں سے بالکل الگ ہے۔

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری　　اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری
اک فقر سے شبیری اس فقر میں ہے میری　　میراث مسلمانی سرمایۂ شبیری
اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری

ایک اور مقام پر وہ "فقر" کی یوں تعریف فرماتے ہیں۔

چیست فقر اے بندگانِ آب و گل　　یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر کارِ خویش را سنجیدن است　　بر دو حرف لا الٰہ پیچیدن است
فقر خیبر گیر با نان شعیر　　بستۂ فتراک او سلطان و میر
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست　　ما امینیم ایں متاعِ مصطفیٰ است
فقر بر کرّوبیاں شب خوں زند　　بر نوامیس جہاں شب خوں زند
بر مقام دیگر اندازد ترا　　از زجاج الماس می سازد ترا
برگ و سازِ او ز قرآنِ عظیم　　مرد درویشے نہ گنجد در گلیم